آخری چال

نِدا حسنین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ندا حسنین

جس طرح ایک فوجی کو اپنی وردی پر ڈاکٹر کو اپنے کلینک میں بیٹھے مریضوں کی قطار پر' لکھاری کو اپنے قلم پر' کسان کو اپنے کھیت پر ناز ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک بیٹے کی ماں کو اپنے خوبرو' اعلا تعلیم یافتہ' فرماں بردار' اعلا عہدے پر فائز بیٹے پر بھی ناز ہوتا ہے۔ اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ اگر بیٹا اکلوتا ہو تو پھر تو مانو سونے پہ سہاگہ والا عالم ہوتا ہے۔

خدیجہ خاتون کے لیے بھی عزیر ان کی زندگی کا قیمتی سرمایہ تھا۔ جوانی میں ہی شوہر کے انتقال کے بعد جس محنت مشقت سے انہوں نے پڑھا لکھا کر اسے جوان کیا تھا' یہ تو صرف ان کا دل اور اللہ ہی جانتا تھا۔ ایسے مشکل وقت میں جب دنیا نے ساتھ چھوڑ دیا تھا تب صرف ان کی بہن زلیخا اور اظہار احمد (بہنوئی) نے بہت ساتھ نبھایا۔ اس ساتھ کی بنا پر خدیجہ کے دل میں اپنی بہن اور بہنوئی کی قدر مزید بڑھ گئی تھی۔ اور آج جب عزیر ایک پھل دار درخت کی صورت پھل دینے کے قابل ہو گیا تو ان کے دل میں بھی بیٹے کے سر پر سہرے کے پھول سجانے کی خواہش جاگی اور نظر انتخاب اپنی عزیز از جان' بہن زلیخا کی بیٹی کومل پر جا ٹھہری۔

کومل اپنی نام کی طرح کومل حسن کی مالک تھی۔ ایسا حسن جو شہزادیوں جیسا تھا' کچھ زلیخا نے اکلوتی بیٹی کو بے انتہا لاڈ پیار میں پالا کہ گھر میں گرا ایک تنکا تک اسے اٹھانے نہ دیا۔ اور اس بے جا لاڈ پیار نے کومل کے مزاج پہ بھی خوب اثر ڈالا تھا۔ کہتے ہیں جب اللہ حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ پر یہاں صرف نزاکت ہی نہیں غرور' تکبر' ناز و ادا' خود پسندی اور خود غرضی نے بھی بسیرا کر ڈالا تھا۔ کومل کے خوابوں میں جو شہزادہ اکثر سیاہ کرولا میں آتا تھا وہ کوئی اور نہیں عزیر ہی تھا۔ اس نے اکثر عزیر کی خوابناک آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی کے جذبات دیکھے تھے۔ اور ان ہی جذبات نے اسے یقین دلایا تھا کہ عزیر پہ صرف اس کا حق ہے۔ جلد یا بدیر عزیر نے خالہ جان کو اس کے گھر رشتے کے لیے ضرور بھیجنا تھا۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

عزیر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوا جب خدیجہ نے کومل کے لیے اس کی رائے جانی۔ وہ تو اس کے دل کی ملکہ تھی۔ اتنی حسین' پیاری لڑکی کو کوئی عقل کا اندھا ہی نظر انداز کر سکتا تھا اور وہ عقل کا اندھا تو بہرحال نہیں تھا۔ دل ہی دل میں وہ بہت خوش تھا کہ ماں نے اسی لڑکی کا انتخاب کیا جسے وہ دل دے چکا تھا۔ پہلی ہی فرصت میں ماں کو اقرار میں اپنا جواب دے کر' خالہ کے گھر رشتہ بھیجنے کا عندیہ دیا۔ خدیجہ بیٹے کی ہاں سے پھولی نہ سمائی تھیں۔ جھٹ سے مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے منگوائے اور اگلے ہی دن زلیخا کے گھر روانہ ہو گئیں۔

زلیخا بہن کے ــــ آنے کا مقصد جان کر دل ہی دل میں کوئی لاکھ بار تو اللہ کا شکر ادا کر چکی تھیں۔ ان کے تو من کی مراد تھی کہ بہن کے گھر کا اجالا ان کی بیٹی بنے۔ ان کے دل کی مراد پوری ہو چکی تھی۔ وہ بہت خوش تھیں کہ بیٹی ماں جیسی خالہ کے گھر بیاہ کر جائے گی اور سدا خوش رہے گی۔ وہ چاروں ایک دوسرے کے دل کے حال سے بے خبر تھے۔ مگر خبر رکھنے والی ذات تو

جانتی تھی کہ اس نے ان سب کی مراد پوری کردی تھی۔ یوں کچھ ہی دنوں میں چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق' کومل ماں کی دعائیں لے کر باپ کی شفقت کے سائے تلے خالہ کے گھر چھم چھم کرتی عذیر کی ہمراہی میں اتری۔

اکلوتی بہو وہ بھی بہن کی بیٹی' خدیجہ نے خوب نخرے اٹھائے' چاؤ چونچلے کیے۔ دو مہینوں تک وہ بیٹے اور بہو کی خدمتیں کرتی رہیں۔ یہ ماں کا پیار تھا اپنی اولاد کے لیے 'مان تھا بیٹے پر کہ وقت آنے پر بیٹا بھی ان کی خوشیوں کا یوں ہی خیال رکھے گا' ان کی خدمت کرے گا۔ یقین تھا بھانجی پر کہ وہ بھی انہیں ماں جیسا عزت و احترام بخشے گی۔ پر ہوتا یوں ہے کہ انسان جب بندوں سے توقعات رکھتا ہے تو بس دھوکا کھاتا ہے۔ وہ اگر یہی توقعات اللہ سے رکھے تو کبھی مایوس نہ ہو۔

شادی کو ڈھائی ماہ ہی گزرے تھے کہ اظہار احمد آفس سے آتے ہوئے ایک اندوہناک حادثے کا شکار

ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ زلیخا پہ جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بھری دنیا میں وہ اکیلی رہ گئیں۔ کومل ماں کے دکھ کو کم کرنے کی خاطر چالیسویں تک میکے آ کر رہنے لگی۔ خدیجہ بہن کا دکھ اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ خود بھی ایک عرصے تک یونہی تنہا زندگی گزاری تھی۔ تنہائی کی اذیتوں سے خوب واقف تھیں لہٰذا چالیسویں کے بعد بہن کو ہمیشہ کے لیے گھر لے آئیں اور ان کا گھر کرائے پر اٹھا دیا۔

پانچ ماہ گزر جانے کے باوجود بھی کومل کو خدیجہ نے اب تک گھر کے کام میں حصہ لینے کے لیے نہیں کہا تھا۔ زلیخا بھی بیٹی کو بڑی بہن کے گھر یوں عیش و عشرت میں خوش و خرم زندگی گزارتے دیکھ کر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتی رہیں۔ اپنی بیٹی کے آرام کے لیے وہ خدیجہ کے ساتھ سارا دن لگی رہتیں کہ بہن کو کبھی شکایت نہ ہو۔ پر کب تک۔ دونوں ہی ضعیف خواتین تھیں۔ دن رات گھر داری' چولہا ہانڈی کرتے کرتے شدید تھکن کا شکار ہو جاتیں۔ اور ایسے ہی ایک دن تھکن سے چور ہو کر خدیجہ شدید بیمار پڑ گئیں۔ بہن کے بیمار پڑنے پر زلیخا گھر کی ساری ذمہ داریاں اٹھانے پر مجبور ہو گئیں اور دن رات ماں کو اکیلا کام کرتے دیکھ کر مجبوراً" کومل کو ان کا ہاتھ بٹانا پڑا۔ پر یہ ہاتھ بٹانا کومل کو کافی گراں گزر رہا تھا۔ اوپر سے عذیر کا بھی سب کچھ بھول بھال ماں کی خدمت میں لگنا اسے ناگوار گزر رہا تھا۔

خدیجہ کو ملیریا نے آگھیرا تھا۔ اور ان کے یوں بستر سے لگنے پر زلیخا کی مدد کروا کروا کر کومل بے زار ہو گئی تھی۔ اور اسی بے زاری و چڑچڑاہٹ کی وجہ سے اس دن اس نے خدیجہ سے بدتمیزی کر ڈالی۔ بات بہت معمولی سی تھی مگر کومل نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔ ہوا کچھ یوں کہ کچن کی صفائی کر کے انتہائی بگڑے مزاج کے ساتھ کومل کچن سے باہر آئی تھی کہ اسے خدیجہ نے آواز دے کر یخنی بنانے کا کہہ ڈالا جس پر وہ چراغ پا ہو کر غصے سے پھنکاری۔

"خالہ جان! سارا دن آپ نے بستر پر پڑے پڑے حکم ہی دینا ہوتا ہے۔ ذرا دوسروں کا بھی خیال کر لیا کریں۔ اب ایسی بھی کوئی بیمار نہیں پڑیں آپ کہ بندہ گھڑی گھڑی کچھ کھلاتا پلاتا رہے۔ سارا دن پاگلوں کی طرح کچن میں لگی ہوئی ہوں پر ذرا جو خیال ہو آپ کو میرا' بس اپنی ہی فکر لگی رہتی ہے' یہ چاہیے وہ چاہیے۔" انتہائی غصے سے کہتی ہوئی وہ پلٹ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی کہ سامنے عذیر کو دیکھ کر گڑبڑا گئی۔ اسے پتا بھی نہ چلا تھا کہ عذیر کب اس کے عقب میں آکھڑا ہوا۔

"نہ جانے عذیر نے میری کتنی بات سنی۔" اپنی دھن میں خالہ کو بے بھاؤ کی سنا کر وہ اب پچھتا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی عذیر ماں سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس کی اس بدتمیزی پر کہیں بدظن ہی نہ ہو جائے۔ کومل کا یہ جارحانہ رویہ خدیجہ نے پہلی بار دیکھا تھا۔ سامنے بیٹے کو کھڑا دیکھ کر تکلیف سے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور ماں کی آنکھوں سے نکلتے آنسو عذیر کو تڑپا گئے۔

"کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم میری امی سے کومل! تمہیں ذرا احساس ہے کہ جس عورت کو تم باتیں سنا رہی ہو۔ وہ تمہیں اب تک بستر پر بٹھا کر کھانا کھلاتی رہی ہے' تمہارے نخرے اٹھاتی رہی ہے۔" وہ انتہائی غصے سے بول رہا تھا۔ اسے حقیقی معنوں میں کومل کے رویے سے دکھ پہنچا تھا۔

"عذیر! میں بس اتنا کہہ رہی تھی کہ میں شام کو بنا دوں گی۔ ابھی اس گرمی میں میری حالت خراب ہو رہی تھی۔" عذیر کو غصے میں دیکھ کر اس نے فوراً" پینترا بدلا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کے وہ اب بڑی معصومیت سے بول رہی تھی۔

"تم نے جو کہا میں نے سب سن لیا ہے کومل! رہنے دو تم میں خود اپنی ماں کے لیے یخنی بنا لوں گا۔" عذیر کے درشتی سے کہنے پر وہ پہلے حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر پیر پٹختی غصے سے کمرے سے نکل گئی۔

عذیر ماں کے پاس بیٹھ کر ان کی دل جوئی کرنے لگا۔ زلیخا غسل کر کے آئیں تو خدیجہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ

کر حیرانی سے اس کا سبب دریافت کرنے لگیں۔ جس پر عذیر نے من و عن سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔

٭ ٭ ٭

"یہ عذیر کو بھی آج جلدی گھر آنا تھا۔ آج پہلی بار خالہ کے سامنے منہ کھولا تھا اور عذیر نے سب سن لیا۔ اب منانا پڑے گا دونوں ماں بیٹے کو۔ ہونہہ!" غصے سے کمرے میں ٹہلتی وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی۔ تب ہی زلیخا اسے گھورتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی کر کے آئی ہو تم آپا سے، اتنی منہ پھٹ اور بدلحاظ کیسے ہو گئی ہو تم۔ چلو چل کر معافی مانگو ان سے۔" وہ اسے گھرکتے ہوئے بول رہی تھیں۔ عذیر نے جو بتایا اسے سن کر ان پر تو گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

"امی! میں کیوں معافی مانگوں۔ میری کیا غلطی ہے جو میں معافی مانگوں۔" وہ بری طرح بدکی۔

"تمہاری نہیں تھی تو کس کی تھی۔؟ اک ذرا سی بات پر آپا کو کتنا سنا کر آئی ہو تم۔" زلیخا کو اس کی بات پر سخت تاؤ چڑھا۔ کومل کو جھڑکتے ہوئے کہنے لگیں۔

"امی آپ کو نہیں معلوم خالہ نے مجھے کتنا سنایا ہے۔ عذیر نے تو آدھی بات سن کر مجھے اتنا ڈانٹا مجھے بتانے بھی نہ دیا کہ خالہ نے مجھے کیا کیا کہا تھا۔" اسے کوئی اور بہانہ نہ ملا تو جھوٹ بولنے لگی۔

"کیا کہا تھا آپا نے۔" اس کی بات پر زلیخا ٹھٹکیں۔

"کہہ رہی تھیں دن بھر تم کرتی کیا ہو۔ زلیخا نے بالکل تمہاری تربیت نہ کی۔ وہ تو میں ہوں جس نے تمہیں شہزادیوں جیسا رکھا ہوا تھا کوئی اور ساس ہوتی تو کب کی گھر سے نکال باہر کرتی۔"

بس پہلا جھوٹ بولنا مشکل لگتا ہے اور وہ جھوٹ جب خاطر خواہ نتیجہ دیتا ہے تو جھوٹ بولنے کے اگلے تمام مراحل بخوبی طے پا جاتے ہیں اور یوں انسان جھوٹا ہونے کا تاج خوشی خوشی سر پر سجا لیتا ہے۔ کومل بھی اب دھڑلے سے منہ بھر بھر کر جھوٹ بول رہی تھی۔

اور زلیخا کا دل بیٹی کی باتیں سن کر پسیجا جا رہا تھا۔

"عذیر اور خدیجہ نے تو یہ سب نہیں بتایا۔" ساری بات سن کر زلیخا آزردگی سے بولیں۔

"عذیر تو اس وقت آئے ہی نہیں تھے جب خالہ مجھے باتیں سنا رہی تھیں۔ اور خالہ کیوں اپنی غلطی بتائیں گی۔ وہ تو بس میری ہی شکایت لگائیں گی ناں۔" وہ ماں پر اپنے آنسوؤں کا اثر ہوتا دیکھ کر سوں سوں کرتی بول رہی تھی۔

"آپا کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ خود کلامی کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

خدیجہ کے کمرے میں پہنچیں تو وہ وہاں اکیلی بیٹھی تھیں۔ عذیر شاید کچن میں تھا۔

"کیا ہوا کومل نہیں آئی۔" خدیجہ کومل کا انتظار کر رہی تھیں کہ اسے پیار سے سمجھا سکیں۔ اور دونوں میاں بیوی کا دل صاف کر سکیں۔ مگر زلیخا کو اکیلا آتا دیکھ کر ٹھٹک کر پوچھنے لگیں۔

"نہیں آپا۔!" زلیخا اتنا کہہ کر ایک لحظہ کو خاموش ہوئیں اور پھر کچھ سوچتے ہوئے شکوہ کناں ہوئیں۔

"آپا! آپ کو بھی کومل کو میری تربیت نہ کرنے کا طعنہ نہیں مارنا چاہیے تھا۔ میں مانتی ہوں کومل گھر نہیں پر میں شکایت کا کوئی موقع نہ دیتی۔ آپ مجھے کہہ دیتیں میں بتا دیتی سوپ کومل سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں آپ کو۔" اتنا کہہ کر زلیخا وہاں سے فوراً چلی گئیں۔ اور خدیجہ مارے حیرت کے انہیں جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ پر دونوں بہنوں کے دلوں میں گرہ سی پڑ گئی۔

اولاد کی محبت بڑی ظالم شے ہے، ہر رشتے ناتے سے بے گانہ کر دیتی ہے۔ یوں کہ اولاد کی محبت ہی سب سے عزیز ہو جاتی ہے۔ خدیجہ اور زلیخا کی لازوال محبت اب اولاد کی محبت کے نذر ہونے لگی تھی۔ زلیخا اب خدیجہ سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھیں جبکہ زلیخا کی اس بدگمانی نے خدیجہ کا دل بھی دکھا دیا تھا جبکہ عذیر اور کومل سب بھول بھال کر پھلکے کی طرح رہ رہے تھے۔

چند ماہ اور گزرے تو عذیر کو دبئی کی ایک کمپنی سے جاب کی آفر آئی۔ اچھی بات یہ تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی ساتھ رکھ سکتا تھا۔ مگر پہلے اسے جاب کے سلسلے میں اکیلے ہی دبئی جانا تھا۔ پر یہاں بھی اختلاف نے سر اٹھایا۔ خدیجہ بیٹے کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ بیٹا نظروں کے سامنے رہ کر ہی کمائے۔ انہوں نے شوہر کے انتقال کے بعد ساری امیدیں بیٹے سے ہی لگائی تھیں۔ اب اگر بیٹا باہر چلا جاتا تو وہ کس کے سہارے جیتیں۔ جبکہ کومل چاہتی تھی کہ عذیر دبئی کی ملازمت کے لیے حامی بھرے۔ عذیر وہاں جائے گا تو اسے بھی ضرور بلوائے گا۔ اور پھر وہ وہاں آسائشوں بھری زندگی گزارے گی۔ دبئی کے مہنگے مالز میں شاپنگ کرے گی۔ اس کی سہیلیاں تو اس کے دبئی جانے کا سن کر ہی جل اٹھیں گی۔ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے وہ مسلسل عذیر کو دبئی جانے کے لیے راضی کرتی رہی۔ خود عذیر کی بھی یہی منشاء تھی۔ شاید تب ہی وہ خدیجہ کو روز مناتا اور یقین دلاتا کہ وہ انہیں وہاں جاکر ضرور بلالے گا۔

زلیخا خاموش تھیں۔ مگر ان کا جھکاؤ بھی عذیر کے دبئی جانے میں تھا۔

ان سب کی خواہشوں کو مدنظر رکھ کر خدیجہ نے عذیر کو دبئی جانے کی اجازت دے دی۔ عذیر نے سارے انتظامات مکمل رکھے تھے۔ ماں پر بھی یقین تھا کہ جانے کی اجازت دے دیں گی۔ سو اجازت ملتے ہی ایک ہفتے کے اندر اندر وہ دبئی روانہ ہوگیا۔ عذیر کے دبئی جاتے ہی کومل کے رنگ ڈھنگ بدل گئے، عذیر کے رعب میں وہ خالہ کی جو تھوڑی بہت عزت کرلیتی تھی، ان کی بات مان لیتی تھی۔ اب مکمل طور پر اپنی من مانی پر اتر آئی۔ جس بات نے خدیجہ کو سب سے زیادہ حیرت میں مبتلا کیا، وہ زلیخا کی کومل کے لیے خاموش حمایت تھی۔ یعنی بہن سمدھن کا، اور بھابھی روایتی بہو کا روپ دھار چکی تھی۔ بیٹے کے جاتے ہی وہ خود کو بے حد کمزور محسوس کرنے لگی تھیں۔ گھر پر ان کی اجارہ داری ختم ہورہی تھی۔ کومل رفتہ رفتہ گھر کی کرتا دھرتا بن گئی تھی۔

خدیجہ فطرتاً نرم دل اور نیک طبیعت کی مالک تھیں۔ دور اندیش ضرور تھیں مگر تیز و طرار، جھگڑالو عورتوں کے قبیلے سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ جبکہ کومل ساس کی خاموشی پر مزید شیر ہوگئی تھی۔ زلیخا بری بہن نہ تھیں مگر بیٹی کی محبت نے ان کے اندر کی مخلص بہن کو کہیں دبا کر رکھ دیا تھا۔ نازو نعم میں پلی بڑی عیش و عشرت اور بحیثیت گھر کی ملکہ کے طور پر زندگی گزارتی کس ماں کو بری لگتی ہے؟

یہ بڑا ہی عجب دستور ہے دنیا کا۔ اچھائی سے محبت اور برائی سے نفرت تو ہر کوئی کرتا ہے پر جو اچھے لوگ کہلاتے ان میں ایکا نہ ہوتا اور جہاں برے لوگ ہوتے وہ اتحاد بنا کر رہتے۔ ماں جیسا قابل احترام رشتہ جس کا نام سن کر ہی نظریں عقیدت سے جھک جائیں۔ دل میں محبت بھر جائے۔ وہی ماں ایک دوسری ماں کے درد کو جانتے ہوئے بھی زیادتی کررہی تھی۔ حد سے زیادہ بڑھی اندھی محبت انسان کو اکثر غلط فیصلوں اور غلط رویوں کو اپنانے پہ مجبور کردیتی ہے۔ بیٹی کی خاموش حمایت نے دو بہنوں کے رشتے کو رفتہ رفتہ کمزور کرڈالا تھا۔

عذیر کو گئے تین ماہ سے زائد کا عرصہ ہوچکا تھا۔ مکمل انتظام کرنے کے بعد وہ اب ان سب کو اپنے پاس بلانا چاہتا تھا۔ مگر یہاں بھی کومل کی خود غرضی آڑے آگئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ساس نام کا منتنا دبئی میں بھی اس کے ساتھ لگا رہے۔ وہ زلیخا کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی، کیونکہ ماں کو ساتھ لے جانا اس کے لیے فائدہ مند تھا۔ وہ گھر بھی سنبھال سکتی تھیں۔ اور بناء روک ٹوک کے وہ اس کی کافی مدد بھی کرسکتی تھیں۔ کومل جیسی خود غرض لڑکی کو ماں کی ضرورت بھی فقط کام کے حوالے سے تھی۔ سو اس نے خدیجہ کو دبئی جانے سے روکنے کے بہانے سوچنا شروع کردیئے۔ زلیخا بیٹی کا ارادہ جان کر خوش تھیں۔ دبئی جانے کے شوق نے انہیں بہن کی فکر سے بھی بے پروا کردیا تھا۔

دونوں ماں بیٹی نے خدیجہ کو دبئی جانے سے روکنے کے لیے تراکیب لڑانا شروع کردیں۔ خدیجہ ان کے خیالات اور نیتوں سے لاعلم نہیں تھیں، مگر اپنی فطرت سے مجبور خاموش تھیں۔ وہ جان چکی تھیں کہ اب پہلے جیسا نباہ ممکن نہیں۔ بہو اور بہن کا پلڑا ان سے بھاری ہے اور وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ پر کیا وہ اتنی آسانی سے اپنا حق انہیں لوٹنے دیں گی۔

کومل سے انہیں اتنی شکایت نہ تھی جتنی بہن سے تھی۔ زلیخا کو انہوں نے کبھی خود سے الگ نہ سمجھا۔ بیٹے سے محبت انہیں بھی تھی۔ بے انتہا تھی۔ پر انہوں نے اس محبت سے مجبور ہو کر کوئی غلط یا ناانصافی پر مبنی رویہ نہیں اپنایا تھا، نہ ہی بہن یا بھانجی کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی کی تھی۔ پر زلیخا نے ان کے رشتے اور محبتوں کو بھلا کر بیٹی کی ہر جائز و ناجائز بات پر ساتھ دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو ان کے گھر کے حالات آج یہ نہ ہوتے۔

انہوں نے دبئی جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر میں ہی رہنا چاہتی تھیں۔ ان کے دبئی جانے سے انکار سن کر زلیخا اور کومل بے حد خوش تھیں۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ ان کے کسی چال چلنے سے قبل ہی خدیجہ نے خود ہی دبئی جانے سے انکار کر دیا تھا۔ پر عذیر کے اگلے فیصلے سے کومل اور زلیخا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ عذیر نے ماں کے انکار کے بعد صرف کومل کو دبئی بلایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ماں اکیلے نہیں رہ سکتی اس لیے خالہ کو ان کے ساتھ رہنا چاہیے۔ کومل نے زیادہ چوں چراں نہ کی اسے خوف تھا کہ ضد کرنے پر کہیں اس کا جانا بھی کینسل نہ ہو جائے۔ زلیخا کو کومل کے اس فیصلے نے دکھ پہنچایا تھا۔ جس بیٹی کے لیے انہوں نے بہن سے رشتہ خراب کر ڈالا تھا وہ بڑے اطمینان سے انہیں یہاں چھوڑ کر دبئی روانہ ہو گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

انہیں دبئی گئے ایک سال ہو چکا تھا۔ آج صبح اطلاع آئی تھی کہ ان دونوں کو اللہ نے اولاد نرینہ سے نوازا ہے۔

"مبارک ہو زلیخا۔ تمہاری بیٹی بھی بیٹے کی ماں بن گئی۔" خدیجہ نے عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو آپا۔ تم بھی پوتے کی دادی بن گئی ہو۔" زلیخا نے مسکرا کر آٹا گوندھتے ہوئے جواب دیا۔

ان دونوں کی اولادیں انہیں چھوڑ کر دور جا بسی تھیں۔ سو اب ان کے بیچ جھگڑا ختم ہو چکا تھا۔ بہنوں والا رشتہ دوبارہ استوار ہو چکا تھا۔ نہ شکایت کی ایک دوسرے سے، نہ طعنہ بازی اختیار کی گئی۔ جو درمیان میں فاصلوں کا سلسلہ آگیا تھا وہ خود بخود ختم ہونے لگا۔ اختلاف کی وجہ دور ہوئی تو اختلاف بھی ختم ہو گیا۔

بہنوں کی ازلی محبت پھر سے جاگ اٹھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتیں، خیال رکھتیں، اپنے اپنے دکھ درد بانٹتیں بچوں کو مل کر یاد کرتیں۔ گھر کے کام کاج کا کیا تھا۔ نہ پہلے جیسی جسم میں طاقت تھی۔ نہ پہلے جیسا کام کا جنون۔ مل کر ہانڈی بنا لیتیں اور صبر شکر کر کے کھاتیں۔ باہر کے کام کاج کے لیے دن بھر کے لیے ایک ملازم بچہ رکھ لیا تھا۔ جو ان کے باہر کے کام کر دیا کرتا تھا۔ آمدنی کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ خدیجہ کو شوہر کی پنشن بھی ملتی اور بیٹے کی طرف سے بھی اچھی خاصی رقم آتی۔ زلیخا کو شوہر کی پنشن اور گھر کا کرایہ ہر ماہ وقت پر مل جاتا۔ سو گزر بسر اطمینان سے ہو رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کا وقت تھا گو کہ دن گرمی کے تھے پر راتیں پھر بھی ٹھنڈی تھیں اس پل بھی کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا بڑی فرحت بخش محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بہنیں گھر کے دروازے بند کر کے ایک نظر ڈال کر اب سونے کی نیت سے بستر پہ لیٹی تھیں۔

"جانے کیسا دکھتا ہو گا میرا نواسا۔ بیٹا تو کوئی تھا نہیں جو ارمان پورے کرتی، اب نواسا ہوا ہے تو میلوں دور

ہے۔" نواسے کے خیالوں میں گم زلیخا بولیں۔ خدیجہ ان کی بات سن کر مبہم سا مسکرا دیں۔

"بیٹے والی ماں ہونا بڑے اعزاز کی بات ہوتی ہے آپا۔ اللہ نے مجھے تو نہ بخشا یہ اعزاز' پر صد شکر اللہ تعالیٰ کا کہ میری بیٹی کو یہ نعمت عطا کی۔" زلیخا اب خدیجہ کی جانب کروٹ لے کر ان سے مخاطب تھیں۔

"نہ جانے کیوں بیٹے کو اعزاز سمجھا جاتا ہے زلیخا۔ شاید اس لیے کہ وہ بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ بیٹی کی رخصتی تو فرض ہے ماں باپ' پر بیٹی کے گود میں آتے ہی اس کی رخصتی کی فکر ستاتی ہے پر بیٹے کے گود میں آتے ہی کوئی بھی ماں اس کے رخصت ہونے کا نہیں سوچتی' پر بیٹا پھر بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ اور زلیخا یہ جو اولاد ہوتی ہے ناں' یہ بڑی آزمائش ہوتی ہے اور اس آزمائش میں کامیابی کا دارومدار ان بیجوں پہ ہوتا ہے جو ہم اب تک بوتے چلے آ رہے ہیں۔ کومل کی گود میں بھی آزمائش اتری ہے۔ اللہ اسے حوصلہ دے اس آزمائش میں پورا اترنے کا۔" بڑی گہری بات کہی تھی خدیجہ نے۔

زلیخا کو چپ سی لگ گئی۔ بہن نے بھانجی کے لیے دعا میں حوصلہ مانگا تھا۔

دل کو عجیب سے احساس نے آ گھیرا۔ کچھ پل کمرے میں خاموشی چھائی رہی' اتنی کہ بس چلتے ہوئے پنکھے کی گھر گھر کرتی آواز گونجتی رہی۔ بالآخر زلیخا کی آواز نے چھائی خاموشی کے سکوت کو توڑا۔

"آپا! میں نہیں چاہتی تھی کہ تم بیٹے کے ساتھ دبئی جاؤ۔ مجھے لگتا تھا کہ وہاں جا کر بھی ہم لوگ ایک ساتھ خوش نہیں رہ پائیں گے بلکہ مزید جھگڑے بڑھیں گے۔"

زلیخا کے کہنے پر خدیجہ نے مڑ کر دیکھا اور مسکرا کر بولیں۔ "جانتی ہوں۔ اسی لیے میں نے خود انکار کر دیا تھا وہاں جانے سے۔ اور۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

زلیخا کو ان کی اس آگہی پر ذرا بھی حیرت نہ ہوئی۔ خدیجہ نے ایک نظر زلیخا کو دیکھا اور سلسلہ کلام پھر سے وہیں سے جوڑا جہاں سے منقطع کیا تھا۔

"اور عذیر کو بھی میں نے ہی منع کیا تھا تمہیں دبئی بلانے سے۔" اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے زلیخا کی طرف کروٹ کر لی۔

"جانتی ہوں آپا۔"! زلیخا کے لب پھیل کر مسکرائے۔

خدیجہ نے بے فکری سے ایک نظر بہن کو دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ کھڑکی سے ایک ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا کمرے میں داخل ہوا۔

"ہائے بڑی اچھی ہوا چل رہی ہے آج۔ نیند بڑی اچھی آئے گی۔" زلیخا جمائی لیتے ہوئے بولیں۔

"ہونہہ! اب سو جاؤ تم بھی' مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" خدیجہ نیند سے بوجھل لہجے میں بولیں۔ اور پل بھر میں دونوں بہنیں نیند کی وادی میں جا سوئیں۔

بڑھاپا اکیلے نہیں گزرتا۔ کوئی ساتھی ضرور چاہیے ہوتا ہے۔ ہم سفر تو کب سے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اب اولاد بھی پرندوں کی مانند اڑان بھرنے کو تھی۔ ایسے میں کون ساتھ رہتا۔ تب ہی دور اندیش خدیجہ نے پرندوں کو اڑنے دیا۔ اور بہن کو روک لیا۔ جانتی تھیں وہاں جا کر بہن اکیلی رہتی اور یہ یہاں اکیلی۔ سو لاکھ درجے بہتر تھا کہ ایک دوسرے کی غم گسار بن کر پھر سے بہنیں بن کر ساتھ رہتیں۔ یہ خدیجہ کی پہلی اور آخری چال تھی جو انہوں نے چلی تھی۔ اور زلیخا اس دن سے ہی یہ راز جانتی تھیں جس دن انہوں نے یہ ساری باتیں خدیجہ کو عذیر سے فون پر کہتے سنی تھیں۔ اور اب وہ بہن کے اس فیصلے پر بڑی مطمئن تھیں۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- فریحہ
میک اپ ---------- روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی ---------- موسیٰ رضا